مولانا محمد عیسیٰ منصوری*

دعوت الی اللہ کا فریضہ اور ہمارے دینی ادارے (۱)

دعوت: اسلام کی روح اور طاقت: حضرات انبیا کا بنیادی اور اصل کام دعوت الی اللہ یعنی انسانوں کو اللہ کی طرف بلانا تھا۔ وہ انسانوں کو اللہ کا تعارف کرواتے، اللہ کی عظمت و بڑائی دلوں میں اتارتے، ان میں آخرت کی فکر پیدا کر کے ان کا رخ دنیا سے آخرت کی طرف موڑتے اور انہیں اللہ کے لیے مرنا اور جینا سکھا کر اللہ والا بنا دیتے۔ نبیوں کا طریقہ براہ راست انسانوں تک پہنچ کر انہیں ایمان و اسلام پہنچانا تھا۔ انبیاء علیہم السلام دین کے دوسرے کام تعلیم و تعلم، تزکیۂ نفس، ذکر و تلاوت، صدقہ و خیرات، دعوت کے ضمن میں اور تابع کر کے انجام دیتے تھے۔ ان کی پوری زندگی اور زندگی کے ہر دن اور ہر لمحے کا بنیادی کام دعوت ہی تھا۔ خاتم النبیین اور آپ کے صحابہؓ کا زندگی بھر یہی اصل مشغلہ تھا، البتہ کبھی کبھی دعوت کی راہ کی رکاوٹ دور کرنے کے لیے قتال کی بھی نوبت آ جاتی تھی۔ دعوت کی بدولت ہجرت کے بعد دس سال میں روزانہ ۲۷۴ میل کے حساب سے اسلام پھیلتا گیا۔ آپ کی وفات تک کم و بیش دس لاکھ مربع میل کا علاقہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ آپ کے بعد چالیس سال کی مختصر سی مدت میں تقریباً ۶۵ لاکھ مربع میل علاقہ پر اسلام کی عمل داری قائم ہوگئی، یعنی اس دور کے تین معلوم براعظموں (ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بڑے حصہ) پر جسے آج مسلم ورلڈ یا عالم اسلام کہا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی دعوت کا پھل ہے۔ بعد کے ادوار میں مسلمان تدریجاً دعوت سے دور ہوتے گئے، اگرچہ بعد کے ادوار میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں اسلام کی اشاعت ہوتی رہی اور اس اشاعت اسلام میں دیگر عوامل نے بھی تھوڑا بہت کردار ادا کیا، لیکن دعوت اور غیر دعوت کے ادوار میں اشاعت اسلام میں نمایاں فرق یہ رہا کہ جن خطوں اور علاقوں میں دعوت کے ذریعہ اسلام پہنچا، وہ آج تک ایمان پر قائم اور پوری طرح محفوظ ہیں اور جن خطوں میں عسکری فتوحات یا دیگر عوامل سے اسلام پھیلا، عسکری قوت کے کمزور پڑنے کے ساتھ وہاں دوبارہ کفر کی عمل داری قائم ہوگئی۔

دین کے اجتہادی شعبے اصل (دعوت) کے ساتھ ہی پورا فائدہ دیں گے: بعد کے ادوار میں دعوت کے بجائے دین کے دیگر اجتہادی شعبوں کی طرف توجہ مرکوز ہو جانے کی وجہ سے ایک طرف نئے نئے خطوں اور علاقوں میں اسلام کی اشاعت کی رفتار سست و کمزور ہوتی گئی، دوسری طرف خود مسلمانوں میں ایمانی و عملی ضعف و کمزوری در آئی جس

چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم، برطانیہ۔

کی وجہ سے طرح طرح کے اعتقادی وفکری فتنوں وگمراہیوں نے جنم لیا حتیٰ کہ آج یہ حالت ہوگئی کہ اگر مسلمان کہلانے والوں کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو انہیں مسلمان کہنا مشکل ہوگا۔ دین کے دیگر شعبے جب تک اصل کام (دعوت) کے ضمن میں چلتے رہے، ان میں ترقیات، فوائد اور خیر وبرکت رہی اور جب اصل (دعوت) کی جگہ دین کی اجتہادی شکلوں، تعلیم وتعلم، درس وتدریس، تصوف وتزکیہ، تذکیر وتبلیغ نے لے لی یعنی دعوت کے بجائے اجتہادی شعبے ہی رہ گئے تو ان میں رسمیت آکر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونے لگیں، کیونکہ صرف دعوت ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ داعی کا ربط وتعلق ایک طرف براہ راست اللہ سے اور دوسری طرف لوگوں سے استوار رہتا ہے۔ جب تک یہ تعلق قائم رہے، کفر اور باطل طاقتیں اپنی سازشوں اور کوششوں میں کامیاب نہیں ہو پاتیں۔ حضرت امام مالکؒ کا قول مشہور ہے کہ اولین دور یعنی دور نبوت میں امت کی صلاح وفلاح، ترقی وکامیابی جس طریقہ پر ہوئی، آخری دور میں بھی اور (درمیان میں بھی) اسی راہ (دعوت) سے ہوگی۔

<u>**حق وباطل کی جنگ میں سنت الٰہی:**</u> حق وباطل کی جنگ میں یہ ہمیشہ سے اللہ کی سنت رہی ہے کہ باطل کو مادّی وسائل واسباب نہایت فراوانی سے دیے جاتے ہیں اور ان کے مقابلے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو جو اسباب اور ساز وسامان عطا کیا جاتا ہے، وہ ہے ''دعوت اور دعا'' یعنی دن کو، جان کھپا کر لوگوں کو اللہ کی بات پہنچانا اور رات کو اللہ کے سامنے آہ وزاری اور دعا میں مشغول رہنا۔ دعوت کی بدولت داعی کے ساتھ اللہ کی خاص نصرت وطاقت شامل حال ہوجاتی ہے، ایسی طاقت جس کا مقابلہ کوئی دنیوی طاقت نہیں کرسکتی۔ گویا دعوت کا عمل دنیا میں بھی غلبہ وکامرانی کی شاہ کلید اور گہری حکمت ہے۔ داعی کسی قوم وملک کو دعوت دے کر گویا اسے اس سے بے انتہا بڑی قوت وطاقت سے بھڑا یعنی ٹکرا دیتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر وہ قوم وملک یا مطیع (مسلمان) ہوجاتا ہے یا خدا کا غیبی نظام اس کے خلاف پڑ کر اسے تباہ کردیتا ہے، چنانچہ دور نبوت میں بھی یہی ہوا۔ اُس وقت دنیا پر عملاً دو سپر پاورز کی عمل داری قائم تھی۔ ایک رومن امپائر اور دوسری پرشین امپائر۔ اگر صحابہ کرامؓ ان دونوں سُپر پاورز کے مقابلے کا مادّی ساز وسامان، اسلحہ واسباب اکٹھا کرتے تو شاید صدیوں تک ان کے مقابلے کے اسباب ووسائل جمع نہ کر پاتے۔ صحابہ کرامؓ نے کامیابی کی مختصر راہ اختیار فرمائی، یعنی ان کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ انکار کرنے پر اللہ کی غیبی طاقت ونظام ان کے خلاف ہوگیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گنتی کے چند سالوں میں صدیوں سے جمی جمائی دونوں عظیم سلطنتیں اس طرح مٹ گئیں جیسے نمک پانی میں تحلیل ہوکر ختم ہوجاتا ہے۔ آج ان دونوں سپر پاورز کی سرزمین ہی اصل دارالاسلام ہے۔

<u>**ملت اسلامیہ کے لیے واحد راہ عمل صرف دعوت ہے:**</u> غور کیا جائے تو آج کے دور میں بھی ملت اسلامیہ اور عالمی کفریہ طاقتوں کے مابین طاقت اسباب، وسائل کا تقریباً وہی تناسب ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے تھا، بلکہ جدید سائنسی وٹکنالوجی ترقی نے اسلام اور کفر کے درمیان طاقت کے تناسب میں فرق کو مزید بڑھا دیا ہے۔ اگر دور نبوت میں طاقت کا تناسب ایک اور دس کا تھا تو اب ایک اور ہزار کا ہوگیا ہے۔ مثلاً غزوۂ بدر میں صرف تعداد کا فرق تھا۔ ایک طرف تین سو تیرہ ہیں، دوسری طرف گیارہ سو، مگر دونوں کے پاس دستی ہتھیار تھے۔ اب جدید سائنس نے الیکٹرونک اسلحہ دے کر ایک فرد کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ایک بٹن دبا کر پورے ملک کو تباہ کرسکتا ہے، اس لیے اب

ملت اسلامیہ کے لیے غلبہ وکامرانی حاصل کرنے کی صرف ایک ہی راہ باقی رہ گئی ہے جو دور نبوت میں تھی، یعنی دعوت الی اللہ۔ اشاعت اسلام کی پوری تاریخ دعوت کی تاریخ ہے۔ مسلمانوں نے گزشتہ چودہ سو سالہ دور میں مراکش سے انڈونیشیا تک جو کچھ حاصل کیا، وہ دعوت ہی کی بدولت حاصل کیا اور جو کھویا، دعوت میں کوتاہی سے کھویا۔ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو جو سزا مل رہی ہے، وہ درحقیقت دعوت چھوڑنے کی سزا ہے کہ ہم نے لوگوں کو ان کی امانت یعنی ایمان واسلام ان تک نہیں پہنچایا، اس لیے ہم اللہ اور انسانیت دونوں کے مجرم بن گئے۔

ملت اسلامیہ کے تین دور: حضرت جی مولانا یوسفؒ نے ۱۹۶۳ء میں تقریباً تین گھنٹے دعوت کی تاریخ پر ایک تقریر فرمائی (جو بندہ نے حضرت کے سامنے بیٹھ کر قلم بند کی تھی، جلد ہی ان شاءاللہ شائع کرنے کا ارادہ ہے۔) اس میں حضرتؒ نے ملت کے تین دور بتائے۔ پہلا دور جس میں دعوت اصل اور محور کے درجہ میں تھی، علم وذکر ضمن میں تھے۔ اس دور میں کس طرح آناً فاناً دنیا میں اسلام پھیلا۔ پھر خلفائے راشدین کے بعد جو برسر اقتدار طبقہ تھا، وہ دعوت چھوڑ کر عیش وعشرت میں پڑ گیا تو مخلصین نے علم کو اصل اور محور بنا کر سارے مجاہدے، مشقتیں اور تکالیف جو پہلے دور میں دعوت کی خاطر برداشت کیے جاتے تھے، دوسرے دور میں علم کی خاطر یعنی حدیث، تفسیر، سیرت اور دیگر دینی علوم کے محفوظ کرنے کی خاطر اختیار کیے۔ اس دوسرے دور میں علم اصل اور محور تھا، دعوت وجہاد اور ذکر ضمن میں تھا۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک سال میں چھ ماہ درس حدیث دیتے اور چھ ماہ جہاد کرتے تھے۔ ذکر بھی تھا، مگر اصل محور کے درجے میں بنیادی توجہ علم پر یعنی احادیث جمع کرنے، سیرت ومغازی وتفسیر کے محفوظ کرنے اور مسائل استنباط کرنے وغیرہ وغیرہ پر تھی۔ جب اہل علم میں بگاڑ آ گیا، علماء بادشاہوں کے قرب اور دنیوی عہدوں ومناصب کے حصول اور مال اور متاعِ دنیا جمع کرنے میں لگ گئے تو مخلصین نے اللہ کے ذکر کے ذریعہ تزکیۂ قلوب، اخلاص اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے پر توجہ مرکوز کر دی۔ اس طرح تیسرا دور شروع ہوا۔ اس تیسرے دور میں علم بھی تھا، دعوت بھی تھی، مگر اصل اور محور کے درجہ میں ذکر تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے آخری دور میں سات سو مبلغین دعوت کے لیے جنوبی ہند روانہ کیے، مگر اس تیسرے دور میں محور اور اصل کے درجے میں ذکر الٰہی تھا۔

پھر حضرتؒ نے تفصیل سے ان تینوں ادوار کا فرق بیان فرمایا۔ مثلاً پہلے دور میں کفار اور خدا کے دشمنوں کو کثرت سے ہدایت مل رہی ہے، اسلام تیزی سے ملکوں اور قوموں میں داخل ہو رہا ہے، کٹر سے کٹر اسلام کے دشمن ایمان لا رہے ہیں۔ دوسرے دور میں عباسی خلیفہ حضرت سفیان ثوریؒ کا معتقد ہے، ان کے خط کو احترام میں آنکھوں سے لگاتا ہے، سر پر رکھتا ہے، بوسہ دیتا ہے، مگر ان کی لکھی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ قیامت تک امت پر ان تین ادوار میں سے کوئی نہ کوئی دور رہے گا۔ جب محور اور اصل دعوت ہوگی تو پہلے دور کی برکتیں فوائد وثمرات ملیں گے اور جب ذکر محور ہوگا تو تیسرے دور کے فوائد وبرکات حاصل ہوں گے۔ حضرتؒ نے یہ مفصل تقریر خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم کی تشریح وتفہیم کے ذیل میں فرمائی تھی۔

دعوت ہر مسلمان کا اصل کام اور فریضہ: اسلام ایک دعوتی دین ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے: ''کہہ دیجیے، یہ میرا راستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ اور میرے متبعین کا بھی'' (القرآن) پیغمبر اسلام نے اس

امت کی تربیت دعوت ہی کے راستہ سے فرمائی۔ ہر شخص کلمہ پڑھتے ہی دعوت کے کام میں لگ جاتا تھا۔ حجۃ الوداع کے آخری پیغام میں آپؐ نے قیامت تک کے مسلمانوں کی ڈیوٹی لگادی کہ اب تم کو رہتی دنیا تک میرا پیغام انسانیت کے ہر ہر فرد تک پہنچانا ہے۔ پوری انسانیت آپ کی امت قرار دی گئی، امت اجابت یا امت دعوت۔ جیسے باپ آخری وقت میں اپنے بیٹے کو وصیت کر جائے کہ میری میراث دوسرے بیٹے تک بھی پہنچادینا، لیکن وہ بیٹا ساری وراثت اپنے ہی پاس رکھ لے، دوسرے بھائی تک نہ پہنچائے تو وہ باپ کا بھی مجرم ہوگا اور دوسرا بیٹا (غیر مسلم) بھی اس کا دشمن بنے گا۔ آج ساری دنیا کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ ہم نے ان کا حق مارا ہے، ان کا ورثہ (ایمان واسلام ان تک نہیں پہنچایا)۔ غرض ایک مسلمان کا اصل کام اور زندگی کا مشن دعوت ہی ہے، اس کے بغیر نہ وہ کامل مسلمان بن سکتا ہے اور نہ دنیا میں اسلام فاتح وغالب رہ سکتا ہے۔ رہا جہاد تو وہ نام ہے دین پھیلانے میں اپنی ساری قوت وتوانائی حتیٰ کہ جان تک قربان دینے کا۔ جہاد، دعوت ہی کا آخری مرحلہ ہے، یعنی جب طاقت وقوت سے دعوت کو روکا جائے تو طاقت ہی سے وہ رکاوٹ دور کردی جائے۔ موجودہ دور میں دشمنان اسلام بالخصوص مغرب کی صہیونی وصلیبی قوتوں نے ایک طرف ابلاغ کے تمام وسائل پر جن کے ذریعے انسانوں کے دلوں تک رسائی حاصل کی جاتی ہے، اور دوسری طرف اسلحہ وطاقت کے تمام وسائل پر مکمل قبضہ وکنٹرول کر کے جہاد کے خلاف شرانگیز پروپیگنڈا کر رکھا ہے اور مغرب سے مرعوب ومتاثر ہمارے بالائی طبقات، حکمراں، فوج اور جدید تعلیم یافتہ طبقے نے بھی لفظ جہاد کو طعنہ بلکہ گالی بنادیا ہے۔ یہ لوگ ہر جگہ جہاد سے برأت کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ سارا قرآن جہاد کی اہمیت وفضیلت سے بھرا پڑا ہے، لیکن اسلام کا مقصود قتال نہیں، دعوت ہے۔ قتال ناگزیر حالات میں مجبوراً سرجن کے آپریشن کی طرح آخری آپشن کے درجہ میں ہے۔

<u>**ایمان ونفاق کے درمیان فرق کرنے والی چیز دعوت وجہاد ہی ہے:**</u> ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایمان ونفاق کے درمیان امتیاز، دین پھیلانے کی جدوجہد (دعوت وجہاد) سے ہی قائم ہوتا ہے۔ دور نبوت کے منافقین نماز وروزہ، ذکر وتلاوت، صدقہ وخیرات سب کچھ کرتے تھے، امتیاز دعوت وجہاد کے موقع پر ہی ہوتا تھا۔ آخری غزوہ تبوک میں تیس ہزار صحابہ کرام شریک ہوئے، صرف تین نہ جاسکے۔ اس پر ان کے ساتھ توبہ قبول ہونے تک معاشرتی طور پر کافروں اور منافقوں جیسا برتاؤ ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی آخرالزماںؐ کے امتی کے لیے دین پھیلانے کی جدوجہد یعنی دعوت کے بغیر صرف دین پر چلنا ہرگز کافی نہیں۔ بقول عصر حاضر کے ایک داعی کے آج دین پھیلانے کے لیے لوگوں میں مارے مارے پھرنا فضیلت اور ثواب کی چیز ہے۔ وہ وقت (ظہور مہدی) قریب ہے جب یہ دور نبوت کی طرح فرض وواجب ہوگا، دین کی خاطر نہ نکلنے والے کو منافق وکافر قرار دیا جائے گا۔ قرآن کا ارشاد ہے: کامل مؤمنین صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، پھر ذرا شک نہیں کیا، پھر اپنی جان ومال سے اللہ کی راہ میں کوشش وجہاد کیا۔ صرف یہی لوگ (ایمان کے دعوے) میں سچے ہیں۔'' (سورۂ حجرات آیت ۱۵)

<u>**ہمارے تمام مصائب اور مشکلات کا اصل سبب:**</u> آج دنیا کے ہر ملک میں ہمارے جتنے بھی مسائل ہیں مثلاً تعلیم میں پچھڑ جانا، اقتصادی پسماندگی، سیاسی بے حیثیتی، ہر طرح کی ناانصافی، ہولناک مظالم، نسل کشی (دیکھا جائے تو

دنیا بھر کی دجالی طاقتوں نے ہر ملک میں اسپین کی تاریخ دہرانے کی تیاری کر لی ہے)، یہ ہولناک حالات ومصائب اصل مرض نہیں، مرض کی علامت ہیں۔ ہمارا اصل مرض یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور دین کو پھیلانا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ہم انسانیت کے خیر خواہ بننے کے بجائے حریف بن گئے۔ آج ہم دنیا بھر میں اپنی مظلومیت کا رونا رو رہے ہیں کہ فلسطین میں ہمارے ساتھ یہ ظلم ہو رہا ہے، عراق وافغانستان میں یہ ظلم ہو رہا ہے، کشمیر وفلپائن میں یہ ظلم ہو رہا ہے۔ ہم اپنی اور دنیا کے انسانوں کی نظر میں مظلوم ہیں اور دوسرے لوگ ظالم، لیکن کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ دنیا کے انسانوں تک ان کی امانت (ایمان واسلام) نہ پہنچانے کی وجہ سے اصل ظالم ہم ہی ہیں کہ ہم نے ان کا حق مارا ہے، باپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی امانت اس کے دوسرے بیٹے تک نہیں پہنچائی۔ اللہ اور رسولؐ نے انسانیت تک پہنچانے کے لیے ہمیں جو ذمہ داری وامانت سونپی تھی، ہم نے خیانت کی، ذمہ داری پوری نہیں کی۔ ایمان واسلام وہ دولت ہے جس کے بغیر دنیا کا ہر فرد بشر ہمیشہ ہمیش کے لیے ہلاکت میں پڑ جائے گا۔ ہم انسانیت کے حق میں اتنے بے رحم وظالم ثابت ہوئے کہ ان بے چاروں کو دائمی ہلاکت وبربادی سے بچانے کی ذرا فکر نہ کی، اپنی دنیا بنانے میں مگن رہے تو اللہ نے اس جرم کی پاداش میں انہی لوگوں کے ذریعہ ہماری دنیا کو جہنم بنا دیا۔

<u>دنیا میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی؟</u> دنیا میں اسلام دینی اداروں سے نہیں، دعوت سے پھیلا ہے، مثلاً برصغیر کے مغربی حصہ (پاکستان) میں زیادہ تر اسلام کی اشاعت اس دور میں ہوئی جب مسلمانوں میں کسی حد تک دعوت کا جذبہ موجود تھا، یعنی محمد بن قاسمؒ اور ان کے بعد کا دور، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت کی بنیاد رکھنے والے سلطان شہاب الدین غوری کا خط نقل کیا ہے جو انہوں نے شمالی ہند کے سب سے طاقتور حکمراں پرتھوی راج کو لکھا تھا کہ تم سرحد، سندھ، پنجاب، بلوچستان میرے حوالہ کر دو تو میں دہلی واجمیر پر حملہ نہیں کروں گا اور اپنے مطالبے کے حق میں یہ دلیل دی تھی کہ یہ علاقہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ اسی طرح بنگال (بنگلہ دیش) پر سات سو سالہ مسلم حکمرانی کے دور میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵/۲۰ فیصد سے زیادہ نہیں بڑھ سکی تھی، لیکن انگریز کے عین دور شباب میں حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے خلیفہ مولانا کرامت اللہ جونپوریؒ نے دعوت کا کام کر کے بنگال میں تقریباً ایک کروڑ لوگوں کو مسلمان بنایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پاکستان کی اصل بنیاد بھی دعوت ہے نہ کہ دوقومی نظریہ۔ آج پاکستان اسی تضاد کے نتائج بھگت رہا ہے کہ قائداعظم نے دوقومی نظریہ (اسلام وکفر کی تفریق) کی بنیاد پر پاکستان بنایا اور بننے کے بعد اپنی ساری توانائی اور توجہ ایک قومی نظریہ (اسلام وکفر کی برابری) کے مطابق ڈھالنے پر لگا دی۔ یاد رکھیے! دعوت سے ہی دار کفر دار الاسلام بنتا ہے، نہ کہ کسی نظریہ سے۔

<u>نازک حالات میں دعوت ہی نے ملت اسلامیہ کو سنبھالا:</u> ہماری تاریخ کا ایک اہم سبق یہ بھی ہے کہ جب کبھی ملت پر نازک وقت آیا، اس وقت دین کے دوسرے شعبے یا اپنی ادارے وجامعات کام نہیں آئے بلکہ دعوت ہی کے ذریعے حالات بدلے۔ مثلاً چھٹی صدی ہجری میں تاتاریوں کی یلغار کے وقت دینی اداروں، جامعات، علما ومشائخ کی کمی نہیں تھی۔ صحرائے گوبی سے اٹھنے والی آندھی (تاتاری) نے عالم اسلام کو اس بری طرح تاراج وتباہ کیا کہ سمجھا جانے لگا، گویا اب اسلام کا خاتمہ ہے۔ ایسے نازک حالات میں اللہ کے چند مخلص بندوں نے خاموشی سے ان

جنگجو وجنگلی فاتحین کے دلوں پر دستک دی، انہیں اللہ کی طرف بلایا، ان تک ایمان پہنچایا جس کے نتیجہ میں حالات نے ایک دم اسلام کے حق میں اس طرح پلٹا کھایا جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ بقول برطانوی پروفیسر اور علامہ اقبال کے استاذ آرنلڈ کے، جہاں مسلمانوں کی تلوار اور سارے وسائل ناکام ہو گئے، وہاں بے لوث دعوت نے مسلمانوں کی تاریخ بدل کر رکھ دی اور فاتحین کی پوری نسل من حیث القوم اسلام کی آغوش میں آ کر صدیوں تک کے لیے اسلام کی سب سے بڑی علمبردار اور محافظ بن گئی۔ اسی طرح ہندوستان میں دسویں صدی ہجری میں اسلام پر نازک وقت آیا جب برہمنوں کی ایک گہری سازش کے نتیجہ میں مغل امپائر کی سب سے زیادہ بلند حوصلہ اور طاقتور شخصیت اکبر اعظم کو دین الٰہی کے نام سے اسلام کے مقابلے پر لا کھڑا کیا گیا۔ وہ وقت برصغیر میں اسلام کے لیے نازک ترین وقت تھا۔ اللہ کے ایک مخلص بندہ (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کی خاموش دعوت نے ایسے حالات بدلے کہ اکبر اعظم کے تخت پر چوتھی پشت میں ایک ایسی شخصیت (اورنگزیب عالمگیر) جلوہ افروز ہوئی جنہیں عرب دنیا کے ممتاز عالم دین اور مفکر شیخ علی طنطاوی نے چھٹا خلیفہ راشد قرار دیا۔ اس عظیم انقلاب کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی کی دعوت، خاص طور پر تحریری دعوت (مکتوبات) کے سر ہے۔ آپ نے اپنی تحریری دعوت کے ذریعے اکبر کے ارکان سلطنت و امراے دربار کے دلوں پر براہ راست دستک دی۔ یہ آپ کی دعوتی کڑھن وکوشش کا کرشمہ تھا کہ اکبر کے اراکین سلطنت و امرا نے اس عظیم فتنہ کو اکبر کے شاہی محل میں دفن کر دیا۔ غرض دعوت ہی سے ہر دور کے مسائل حل ہوئے۔

<u>تمام مسائل کے حل کا نبوی طریقہ:</u> یہاں سرسری نظر اس پر ڈالیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسائل کو کس طرح حل فرمایا۔ ہجرت مدینہ کے وقت ایک طرف لٹے پٹے مہاجر تھے جو اللہ کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر اور صرف جان بچا کر مدینہ پہنچے تھے۔ دوسری طرف مدینہ کے کاشتکار (انصار) تھے جن کا بال بال یہودیوں کے سودی قرضے میں جکڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے مدینہ پہنچ کر چار کام کیے:

(۱) اللہ کی عبادت اور تعلیم وتربیت کے لیے مسجد کی بنیاد رکھی۔

(۲) بے وسائل آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے ایک مقامی (انصاری) اور ایک پردیسی (مہاجر) کے درمیان مواخات کے عنوان سے مضبوط رشتہ قائم کر کے ان پناہ گزین کے سارے مسائل ایک لمحہ میں حل فرما دیے۔

(۳) چاروں طرف خوف وہراس کا عالم تھا، مٹھی بھر مسلمان دنیا بھر کے کفر کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کی فضا ختم کرنے اور امن قائم کرنے کی خاطر مدینہ منورہ کے یہودیوں اور قبائل سے اپنے اپنے مذہب، شریعت اور معاشرت پر رہتے ہوئے مدینہ کے دفاع میں شرکت کرنے اور باہمی رواداری کے ساتھ رہنے اور آپسی مناقشات اور اختلاف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر معاہدہ فرمایا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے اور جو دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے۔ اسی طرح مدینہ کے اطراف میں کئی کئی سو میل کا سفر فرما کر مختلف قبائل سے معاہدے فرمائے۔ کسی سے اس شرط پر معاہدہ ہوا کہ جب مسلمانوں کے قافلے (عسکری وتجارتی) ان کے علاقوں سے گزریں تو ان کو اپنا مہمان بنائیں۔ بعض سے اس شرط پر معاہدہ ہوا کہ ان کے علاقہ سے اسلام کے دشمن گزریں تو ان کی مکمل اطلاع فراہم کریں، وغیرہ وغیرہ۔

(۴) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری توجہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت پر مرکوز فرمائی۔ مسجد نبوی صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ مدرسہ، یونیورسٹی، خانقاہ، تربیت گاہ بھی تھی۔ مختلف اوقات میں تعلیم اور ذکر کے حلقے لگتے، پھر لوگ اپنے گھروں میں جا کر عورتوں اور بچوں کو تعلیم دیتے اور تربیت کرتے۔ غزوہ بدر کے موقع پر اہل مکہ کے ان قیدیوں کے لیے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ نے رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو آزاد ہیں۔ سوچنے کی بات ہے جو قیدی اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے جذبہ سے آئے تھے، انہوں نے دین (قرآن وسنت) کی تعلیم دی ہوگی؟ بلکہ اس دور کی عصری تعلیم ہی دی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایسی تعلیم وتربیت فرمائی کہ ہر صحابی رہتی دنیا تک کے لیے اعلیٰ آئیڈیل ونمونہ بن گیا۔ تاریخ شہادت پیش کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت یافتہ (صحابہ کرامؓ) جماعت نے وقت آنے پر اُس دور کے ہر سیاسی، انتظامی، عسکری، معاشی مسئلے میں اور ہر علم وفن میں کامل مہارت کا ثبوت دیا۔ ان میں ہر شخص داعی تھا۔ وہ دنیا کے جس خطے میں بھی پہنچا، وہاں کے لوگوں کو اسلام اور ایمان پہنچا کر ان کا معلم اور مقتدا بنا۔ گنتی کے چند صحابہ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ متخصص فی القرآن یا فی الفقہ یا فی القرأت تھے، لیکن صحابہ کرامؓ کی زندگی کا بغور مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر صحابیؓ رسول متخصص فی الدعوت تھا۔ وہ جہاں بھی گیا، ہزاروں لاکھوں کو اسلام اور ایمان کی دولت سے سرفراز کر گیا۔ اگر مسلمان داعی نہ ہو تو اس کا ایمان اور اسلام اتنا کمزور ہوگا کہ وہ نامساعد حالات کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

داعی کی مثال ایک تاجر کی سی ہے۔ جس طرح تاجر اپنا مال بیچنے کے لیے گاہک کی ہر طرح کی بدتہذیبی، سختی اور بداخلاقی برداشت کر کے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے، اسی طرح داعی بھی مدعوین کی ہر طرح کی سختی، درشتی اور بداخلاقی کو نظر انداز کر کے اخلاق کریمانہ اور ہمدردی سے اپنی بات پہنچاتا ہے۔ تاجر ہر وقت گاہک کے پسند وناپسند، مزاج ونفسیات، رضا وخوشی اور دلجوئی کی فکر میں رہتا ہے۔ اگر تاجر دیکھتا ہے کہ گاہک اس کی دکان میں نہیں آ رہا ہے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ میری بلا سے، اگر خریدنا ہوگا تو خود آئے گا، بلکہ وہ گاہک کی پسند کے مطابق دکان کو اور خود کو ڈھالتا ہے۔ اگر کسی جگہ دکان نہیں چل رہی تو سوچتا ہے شاید عملہ نا اہل ہے، عملہ بدلتا ہے۔ پھر بھی نہ چلے تو سوچتا ہے شاید دکان کا ڈیکوریشن اور فرنیچر (سجاوٹ) گاہک کو ترغیب دلانے میں ناکام ہے۔ وہ ڈیکوریشن بدلتا ہے۔ پھر بھی گاہک نہ آئے تو سوچتا ہے کہ شاید اس جگہ کپڑے کے بجائے اناج کی دکان چلے گی۔ دکان کا سامان بدلتا ہے اور کبھی دکان کی جگہ ہی تبدیل کر دیتا ہے۔ اپنے مال کی ایڈوٹائزنگ کے لیے جدید تشہیری طریقہ اختیار کرتا ہے، نہایت صبر وتحمل اور بردباری سے محنت کیے جاتا ہے، یہاں تک کہ دکان چل پڑتی ہے۔ افسوس! ہمارا ذہن ودماغ تجارت میں تو نت نئے تجربات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، لیکن جب دعوت یا انسانیت تک دین وایمان پہنچانے کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو اکابر اکابر اور اسلاف اسلاف کے نام پر صدیوں پرانے اسلوب، زبان ولہجہ، طریقۂ کار ہی دہراتے ہیں۔ ہم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ہمارا دعوت دینے کا طریقۂ کار مخاطب کی ذہنی سطح، مزاج ونفسیات، زبان واسلوب کے مطابق ہے یا نہیں؟ ہم خود کو دھوکہ میں رکھتے ہیں کہ آخرت میں ہمارے نامۂ اعمال میں اتنے کروڑ اتنے ارب نیکیاں جمع ہو رہی ہیں، خواہ ہم اپنے طرز عمل اور بداخلاقی سے لوگوں کو اسلام ایمان سے بدظن ومتوحش ومتنفر ہی کر رہے ہوں۔

دعوت کی عظمت اور داعی کے اوصاف: دعوت درحقیقت ایمان (اللہ کو ماننے) کی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جو شخص بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا تھا، اسے اسی وقت ایمان کی دعوت کا فریضہ سونپ دیتے۔ صدیق اکبرؓ نے ایمان لاتے ہی ایمان کی دعوت دینی شروع کی اور محنت کر کے اسی دن کی شام تک چھ نئے لوگوں کو ایمان پر لے آئے جن میں کئی عشرۂ مبشرہ میں سے بنے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایمان قبول کرتے ہی حرم میں پہنچ کر علانیہ اپنے ایمان کا اعلان کیا اور ایمان کی دعوت دی۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ نے جب ایمان قبول کیا تو کلمہ شہادت کے اقرار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قل اشهد الله و اشهد من حضر انی مسلمٌ مجاهد مهاجر (حیاۃ الصحابہ) میں اللہ کو اور حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان مجاہد اور مہاجر ہوں، یعنی میں نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ ایمان پھیلانے کی محنت کرنے والا اور اایمان و اسلام کی خاطر سب کچھ چھوڑنے والا (قربانی کرنے والا ہوں) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو مسلمان بنانے کے ساتھ ہی داعی اور دعوت کے لیے سب کچھ قربان کرنے والا بھی بنا دیتے تھے۔ یہی اصل کار نبوت، طریق نبوت اور سنت نبوی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جو شخص بھی ایمان لاتا، اسے اسی کے قبیلہ اور قوم میں ایمان کا داعی بنا کر روانہ فرماتے۔ اس طرح بہت سارے افراد کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ یا قبیلہ کے بہت سے افراد مسلمان ہو جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، مثلاً عرب کے قبائل کا لباس تقریباً یکساں ہوتا تھا۔ نام بھی تقریباً سارے صحابہ کے اسلام سے پہلے کے ہیں۔ ہاں اگر کسی کے نام میں شرک کی بو آتی یا اس کے کوئی نامناستب معنی ہوتے تو اسے آپ تبدیل فرما دیا کرتے تھے، لیکن آج مثلاً کوئی یہودی یا عیسائی شخص میرے پاس آ کر مسلمان ہو تو میں اس میں ایمانی صفات پیدا کرنے یا داعی بنانے کے بجائے ظاہر پر زیادہ توجہ دوں گا۔ سب سے پہلے نام بدلوں گا، پھر اس کا لباس، حتیٰ کہ ٹوپی عمامہ پہنا کر اس کو اس کے اپنے معاشرے سے کاٹ دوں گا۔ اب وہ اس قابل نہیں رہے گا کہ اپنے معاشرے میں جا کر دین کی دعوت دے سکے۔ اس مسئلہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر داعی گویا براہ راست اللہ کی طرف سے پیغامبر ہوتا ہے، اس لیے وہ خدا کے نمائندے کی حیثیت سے بلند سطح سے بات کرتا ہے۔ داعی کے لیے یہ بلند ترین مرتبہ حاصل ہونے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ ہر وقت خدا کی عظمت، بڑائی اور کبریائی کا استحضار ہو۔ ہر نبی کا پہلا بول ہی اللہ اکبر رہا۔ اگرچہ قرآن کی پہلی آیت پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی مگر پڑھایا کیا؟ اللہ کی عظمت اور دعوت پڑھائی، چنانچہ اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی، وہ ہے: يا يها المدثر قم فانذر و ربك فكبر، اے گدڑی میں لپٹے ہوئے! اٹھیے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجیے۔

دوسری بات داعی کی نظروں میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حیثیتی ہے۔ فرمایا کہ اگر ساری دنیا کی حیثیت اور قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی منکر خدا کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا۔ داعی کے دل میں دنیا کی بے حیثیتی کا بیٹھنا نہایت ضروری ہے، ورنہ اس کی دعوت بے جان ہوگی۔ ایک بار بندہ حکومت مراکش کی دعوت پر دار بیضہ (Casa Blanka) اسلامی دعوت کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ ہوائی جہاز میں میری سیٹ کے ساتھ ایک نوجوان کی سیٹ تھی۔ جب جہاز نے اُڑان بھری اور زمین سے بارہ چودہ ہزار فٹ بلند ہوا اور میں نے کھڑکی

سے نیچے دیکھا تو لندن شہر کی بڑی بڑی شاہراہیں ایسے نظر آئیں گویا کسی نے کالی لکیر کھینچ دی ہو اور لندن کی عظیم الشان بڑی بڑی عمارتیں جنہیں دیکھ کر دل مرعوب ہوتا تھا اور دل میں ان کی عظمت اور شان وشوکت بیٹھتی تھی، ایسی حقیر، معمولی اور چھوٹی چھوٹی نظر آ رہی تھیں گویا کسی نے سگریٹ یا ماچس کی بہت سی ڈبیاں ایک دوسرے پر رکھ دی ہوں۔ میں نے اس نوجوان سے کہا کہ ذرا نیچے دیکھیے، لندن شہر اور اس کی شاندار عمارتیں کتنی حقیر اور بے حیثیت نظر آ رہی ہیں۔ سبب یہ ہے کہ ہم محض جسمانی طور پر زمین سے چند ہزار فٹ اُوپر آ گئے۔ اگر خدا ہمیں روحانی سربلندی نصیب فرمادے تو دنیا کی ان چیزوں کی کیا حیثیت باقی رہ جائے گی!

تیسری چیز داعی کا اپنے دعوت کے معاملے میں بے لوث ہونا ہے کہ وہ اپنی کوششوں اور قربانیوں پر مخلوق اور انسانوں سے کچھ نہیں چاہتا۔ ہر نبی کی بنیاد یہی ہوتی تھی، ما اسئلکم علیه من اجر، ان اجری الا علی رب العلمین، اے لوگو! ہمیں تم سے کچھ نہیں چاہیے۔ ہمیں جو چاہیے، اللہ سے لیں گے۔ یہ تین صفات داعی کو نہایت ممتاز حیثیت عطا کر دیتی ہیں اور بلند ترین مقام پر فائز کر دیتی ہیں۔ پھر اللہ اپنی غیبی طاقت اس کے ساتھ کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جو اللہ کے بندوں کا رشتہ اللہ سے جوڑ رہا ہو، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ پیارا کون ہو سکتا ہے! ظاہر ہے پھر اس کا مقام یہ ہوتا ہے کہ ایک سپر پاور (سلطنت ایران) کا فرمانروا داعی (پیغمبر اسلام) کے دعوت کے خط کو چاک کر دیتا ہے تو داعی فرماتا ہے کہ اس نے ہمارا دعوت نامہ نہیں، اپنا ملک چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یہ منظر دنیا دیکھتی ہے کہ چند ہی سالوں میں اس کی عظیم سلطنت پارہ پارہ ہو کر نیست نابود ہو جاتی ہے۔

<u>ذہنوں پر سیاست کے غلبہ کے مضمرات</u>: ہم سے ایک بڑی غلطی عصر حاضر میں یہ ہو رہی ہے کہ ہمارا ذہن داعیانہ کے بجائے سیاسی بن گیا ہے۔ گزشتہ صدی میں عالم اسلام پر مغرب کے سیاسی غلبے کے ردعمل کے طور پر ہمارے بعض مفکرین کو یہ مغالطہ ہوا کہ مسلمانوں میں باطل (مغربی تمدن، فکر وفلسفہ اور کمیونزم) یورپ وروس کے سیاسی تفوق وغلبہ کے سبب پھیل رہا ہے۔ اگر ہمارے پاس بھی مستحکم سیاسی حکومت ہوتی تو ہم اسی طرح اسلام پھیلاتے۔ اس طرح ان کا ذہن دعوت کے بجائے سیاست، ایمان وعمل کے بجائے ریاست کے حصول کی طرف لگ گیا۔ اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کبھی ریاست وحکومت یا سیاسی طاقت سے نہیں پھیلا بلکہ اکثر سیاسی شکست اور حکومتی عدم استحکام کے زمانے میں تیزی سے پھیلا ہے۔ مثلاً تاتاریوں کی یلغار عالم اسلام کے لیے قیامت سے کم نہیں تھی۔ تاتاری لشکروں نے پورے عالم اسلام کو تہ وبالا کر دیا تھا، ہر شہر لاشوں سے پٹا پڑا تھا، ہر جگہ مسلمانوں کے سروں کو کاٹ کر اونچے اونچے منارے سجائے گئے تھے۔ تمام مؤرخین اسلام کے خاتمے کی پیشین گوئی کر رہے تھے۔ ایسے مایوس کن حالات میں اللہ کے کچھ بندوں نے انھی سفاک قاتلوں (تاتاریوں) کو دعوت دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایک دن میں ان کے لاکھوں گھرانے مسلمان ہوئے اور پوری تاتاری قوم من حیث القوم حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ غرض اس سیاسی عدم استحکام کے دور میں اس طرح اسلام پھیلا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہ پانچ سو سال پہلے ملتی ہے نہ پانچ سو سال بعد تک۔ آج پھر دنیا بھر میں مسلمانوں کی پسپائی، شکست، کم ہمتی، ذلت وغلامی کا وہی سماں ہے جو تاتاریوں کے حملے کے وقت تھا۔ آج اسلام کے خلاف شرانگیز پروپیگنڈے نے ہر مسلمان کو مجرم بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس کے باوجود آج پھر

دنیا میں اسی طرح اسلام پھیل رہا ہے جیسا تاتاریوں کے یلغار کے بعد پھیلا تھا۔ خاص طور پر مغرب (امریکہ، یورپ) میں اس تیزی وسرعت کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے کہ اس نے عالمی کفر کے سرغنوں کو حیران وپریشان کر دیا ہے، جبکہ ہمارے پاس دنیا بھر میں دعوت کا کوئی خاص نظم ہے نہ کوشش، لوگ از خود ذاتی مطالعہ وتفکر سے یا کتابیں پڑھ کر اسلام کی طرف آ رہے ہیں۔ اگر ہم دعوت کے فریضہ پر کھڑے ہو جائیں تو آج پھر تاتاریوں کے دور کی طرح یورپ، امریکہ اور دنیا بھر میں حیران کن نتائج سامنے آ سکتے ہیں اور تاتاریوں کی طرح اسلام کو دنیا سے مٹانے کا جذبہ رکھنے والی اقوام، اسلام کی پاسبان بن سکتی ہیں۔

<u>اشاعت اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ:</u> عصر حاضر میں ہمارے بعض مفکرین کی تحریروں کے سبب ہمارے ذہنوں پر دعوت کے بجائے سیاست سوار ہو گئی ہے۔ اس سیاسی ذہن نے انسانیت کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر تبدیل کر دیا ہے اور ہمیں اقوام عالم کا حریف بنا دیا ہے۔ ہم نے خود کو محتسب اقوام یا دنیا بھر کی قوموں کے لیے خدائی فوجدار سمجھ لیا ہے، جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے اقوام عالم کے لیے ہماری پوزیشن ناصح وامین یعنی اقوام عالم تک ایمان واسلام کی امانت بلا کم وکاست پہنچانے والے اور انسانیت کے سچے بہی خواہ اور خیر خواہ کی ہے۔ جیسے کوئی سچا ڈاکٹر خیر خواہی کی حد تک اپنے مریض کا خدمت گار ہوتا ہے، اسی طرح داعی انسانیت کا سب سے بڑا خیر خواہ وخادم ہوتا ہے۔ حضرت مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرات انبیاءؑ سیاسی نظام قائم کرنے کے لیے نہیں بلکہ انسانیت کو جہنم سے بچانے کے لیے مبعوث ہوتے تھے۔ ان کا حال اس باپ کا سا ہوتا تھا جس کا اکلوتا لڑکا آگ کے شعلہ میں گرا چاہتا ہو اور وہ بے قرار ہو کر ہر حال میں اسے بچانے کی کوشش کر رہا ہو۔ دعوت انسانیت کی خیر خواہ بناتی ہے اور سیاست نفرت پیدا کرتی ہے۔ حضرت مدنیؒ سمجھتے تھے کہ دوقومی نظریے سے برصغیر میں نفرت کا وہ طوفان اٹھے گا کہ برصغیر کی اقوام میں اسلام کی اشاعت دشوار تر ہو جائے گی۔ دوقومی نظریہ کی تفریق ونفرت سے پہلے صرف کلکتہ کی مسجد ناخدا میں روزانہ تقریباً سو آدمی آ کر مسلمان ہوتے تھے، اسلام خاموشی سے آہستہ آہستہ اپنی جگہ بنا رہا تھا۔ اس سیاسی نفرت نے ہندو کو متحد ومستحکم کر کے برہمن کے شکنجے کو پورے بھارت پر مضبوط کر دیا، برہمن جس کی ہزار ہا سال سے عالمی طور پر کوئی حیثیت نہیں تھی، وہ آج ایک عالمی طاقت بن گیا ہے، حتیٰ کہ وہ عالمی صہیونی وصلیبی طاقتوں سے مل کر اسلام کو دنیا سے مٹانے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ سیاست نے برصغیر میں ہندو کو عظیم طاقت بنا دیا، ورنہ مذہب کے اعتبار سے اس سے زیادہ بودا اور کمزور کوئی مذہب نہیں تھا۔ غرض عصر حاضر میں اسلام کی اشاعت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی تعصّبات ونفرت ہے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنی کتاب ''ڈسکوری آف انڈیا'' میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مذہب کی تبدیلی پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ سیاسی سبب سے ہوتا ہے نہ کہ مذہبی سبب سے۔

<u>دعوت کی بنیادی ضرورت:</u> دعوت کے لیے بنیادی ضرورت حالات کا نارمل رکھنا ہے۔ قرآن نے حالات کو پرامن نارمل رکھنے کے لیے جگہ جگہ صبر اور اعراض کی تعلیم دی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کشیدگی کم کرنے اور باہمی حالات کو نارمل بنانے کی خاطر حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کی انتہائی غلط قسم کی اشتعال انگیز یک طرفہ شرائط بھی منظور فرمائی تھیں جس کے نتیجہ میں وہ صلح نامہ فتح مبین بن گیا۔ قرآن وسیرت سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ ہر قوم پر عمل وکردار

اور دعوت کے ذریعہ اتمام حجت کیا جائے۔ ان تمام مراحل کے بعد آخری مرحلہ قتال کا آتا ہے۔ آج ہم دعوت چھوڑ کر ایک جامد نسلی گروہ بن کر رہ گئے ہیں، جیسے کسی گڑھے میں پانی ٹھہر کر آہستہ آہستہ متعفن بدبودار اور گندا ہو جاتا ہے۔ جب تک اس میں نیا پانی شامل ہوتا رہے، وہ چشمہ صافی رہتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسلام کے چشمہ صافی میں ہر زمانہ میں ہر آن نیا خون شامل ہوتا رہے تاکہ کثافت دور ہوتی رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے علمبردار اور اس کے پھیلانے والے ہر دور میں نومسلم ہی رہے ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ بھی نومسلم تھے اور ساتویں صدی ہجری کے تاتاری (اتراک بھی) اور بیسویں صدی کے تبلیغ جماعت کے میواتی بھی ایک طرح کے نومسلم تھے۔ جس طرح تیرہویں صدی عیسوی کے تاتاریوں نے سمرقند سے حلب تک تمام عالم اسلام کی مساجد تباہ کر کے کھنڈر بنا دی تھیں، پھر دعوت کی برکت سے انہی کی اولاد نے ان تمام مساجد کو نہ صرف تعمیر کیا بلکہ سجدوں سے آباد بھی کیا، آج بھی ہماری تمام مشکلات اور مصائب کا حل صرف ایک ہے۔ وہ ہے حالات کو معتدل رکھ کر اقوام عالم سے الجھے بغیر ان کو اسلام اور ایمان کی دعوت دی جائے۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام دعوت کے معاملے میں اجتہادی کوتاہی سے مچھلی کے پیٹ میں ڈال دئے گئے تھے، آج پوری ملت اسلامیہ دعوت فراموشی کے جرم میں ہر قسم کے مسائل کے شکنجے میں اس طرح جکڑ دی گئی ہے کہ ایک مسئلہ حل ہوتا نہیں کہ دوسرا پیدا ہو جاتا ہے۔

<u>دین پھیلانے کی محنت ہی امت مسلمہ کو متحد اور یکجا کر سکتی ہے:</u> آج ہمارا بہت بڑا مسئلہ باہمی تشتت وافتراق ہے۔ ہماری پوری تاریخ شاہد ہے کہ یہ امت صرف دعوت و جہاد پر ہی جمع ومتحد ہو سکتی ہے نہ کہ کسی مسلک پر، کیونکہ پوری امت نہ حنفی بن سکتی ہے نہ مالکی نہ شافعی نہ حنبلی، نہ امت کسی ایک بزرگ کی بیعت پر اور تصوف کے کسی خاص سلسلے پر متفق ہو سکتی ہے، نہ کسی ایک جامعہ یا ادارہ مثلاً جامعہ ازہر یا دیوبند پر متحد ہو سکتی ہے۔ آج بھی کھلی آنکھوں سے یہ حقیقت دیکھی جا سکتی ہے کہ جہاں تبلیغ کا کام شروع ہوا، پوری امت ایک جگہ جمع ہو گئی۔ مثلاً تبلیغی جماعت (جس کا کام دعوت کے بجائے تذکیر ہے) کے اجتماعات میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہر مذہب کے لوگ اور تصوف کے ہر سلسلے کے افراد اور ہر نسل کے ہزارہا افراد جمع ملیں گے، مثلاً سوڈانی، نائجیرین، اردنی، سعودی، انڈونیشی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جہاد افغانستان میں سعودی، شامی، مصری، یمنی، الجزائری، مراکشی، لیبی، افریقی، یورپی، امریکی، چینی، چیچن، البانی، ترکستانی غرض کہ ہر ملک ونسل کے مسلمانوں نے اپنا حصہ ڈالا، جبکہ دعوت و جہاد کے علاوہ دین کے دوسرے شعبوں میں صرف قومی نسلی جھلک ہی نظر آئے گی۔

(جاری)